مُلّا نصرُالدّین کے لطیفے
4
EROZSONS
BOOK
CORPORATION
LIMITED

ملا نصرالدین کے لطیفے

چوتھا حصہ

سید سعید احمد

فیروز سنز بک کارپوریشن لمیٹڈ

لاہور راولپنڈی پشاور حیدرآباد کراچی

پہلی بار : 1973
تعداد : 3000
قیمت : 1.00
مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور باہتمام عبدالحمید خاں پرنٹر پبلشر

اِستدلال

ایک دفعہ کا ذکر ہے مُلاّ نصرالدین بیچ بازار میں ایک کرسی ڈال کر اُس پر کھڑے ہوگئے اور ہاتھ کے اشارے سے راہ گیروں کو اپنی طرف بُلانے لگے۔ لوگوں نے جب مُلاّ کو اس طرح بلاتے دیکھا تو اُن کا اِشتیاق خود بخود بڑھنے لگا اور وہ مُلاّ کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں ایک جمِ غفیر لگ گیا۔ اب مُلاّ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"میں آپ لوگوں کو ایک ایسی بات بتانا چاہتا ہوں جو اس سے پہلے کسی نے نہ بتائی ہوگی۔ وہ بات یہ ہے کہ آپ کے اردگرد اور اُوپر جس قسم کی ہوا موجود ہے بالکل ویسی ہی ہوا دوسرے گاؤں میں بھی موجود ہے" کسی نے سوال کیا:

"چلیے ہم نے مان لیا کہ آپ کی بات صحیح ہے لیکن یہ بھی تو بتائیے کہ آپ نے یہ بات سوچی کیسے، اور آپ کے اس دعوے کا کوئی ثبوت بھی ہے؟" مُلاّ نے جواب دیا:

وہیں ہر بات اچھی طرح سوچ سمجھ کر کہتا ہوں اور جو کچھ کہتا ہوں وہ مضبوط دلائل کے ساتھ کہتا ہوں۔ اب اگر آپ میرا امتحان لینا چاہتے ہیں تو سنیے۔ میں آپ کے گاؤں میں تو آج آیا ہوں لیکن دوسرے گاؤں میں کئی مرتبہ جا چکا ہوں۔ میں نے دونوں جگہ دیکھا کہ آسمان پر ایک جیسے ستارے چمک رہے ہیں۔ تعداد بھی ایک جیسی ہے اور چمک دمک بھی ویسی ہی ہے۔ اس سے نتیجہ نکالا کہ آسمان اور زمین کے درمیان جو ہوا بھری ہوئی ہے وہ بھی دونوں گاؤں میں ایک سی ہوگی!"

• تجربہ سچائی کی کسوٹی ہے

ایک دن ایک آدمی ملا کے پاس آیا اور اس نے ان سے کچھ روپے قرض مانگے۔ ملا اس آدمی کو پہلے سے جانتے تھے۔ وہ نہایت غریب اور بدحال آدمی تھا۔ اس کی مالی حالت ایسی نہ تھی کہ قرض لے کر واپس کر سکتا۔ تاہم ملا کو اس پر بڑا ترس آیا اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کے روپے پھنس جائیں گے انھوں نے اس کو قرض دے دیا۔

چند ہی روز کے اندر اس شخص نے ملا کا قرض ادا کر دیا۔ جب وہ قرض ادا کرنے کی نیت سے ملا کے پاس پہنچا تو انہیں بڑا تعجب ہوا۔ بہرکیف انھوں نے بخوشی اپنی رقم واپس لے لی۔ کچھ دنوں کے بعد وہ آدمی پھر کچھ روپے اُدھار لینے کے لیے آ پہنچا اور ملا سے بولا:

"دیکھیے میں پچھلی بار وعدہ کے مطابق جلدی ہی پیسے واپس کر گیا تھا۔ اس مرتبہ بھی وقت سے پہلے آپ کی رقم مل جائے گی۔ آپ میرا کام نکال دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔"

ملا نے جو اس آدمی کی بات سنی تو سخت غصہ آیا اور جھڑک کر بولے:

"تم بڑے دھوکے باز معلوم ہوتے ہو۔ اس سے پہلے بھی تم مجھے دھوکہ دے چکے ہو اور یقیناً اس بار بھی دھوکہ دینے سے باز نہ آؤ گے۔ تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ قرض ورض کچھ نہ ملے گا۔"

بے چارے غریب آدمی کو بڑا تعجب ہوا۔ اس نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا:

"ملا جی! کیا دھوکہ! میں نے تو آپ کو کوئی دھوکہ

نہیں دیا۔" ملاّ نے جواب دیا۔
"پچھلی بار مجھے یقین تھا کہ تم روپے واپس نہیں کروگے لیکن تم اتنی جلدی واپس کرگئے۔ یہ دھوکہ نہیں تو اور کیا ہے۔ اس بار میرا دل کہتا ہے کہ تم روپے واپس کر دوگے تو یقیناً تم میری رقم لے کر غائب ہو جاؤگے۔"

• خوش خبری

مشرقی ممالک میں رواج ہے کہ جب کوئی آدمی کوئی خوش خبری لے کر کسی دوسرے کے گھر جاتا ہے تو اس کو انعام دیا جاتا ہے۔ ملاّ نصرالدین بھی اس قاعدے سے واقف تھے۔ چنانچہ ایک دن وہ چوراہے پر کھڑے ہوگئے اور لوگوں کو چیخ چیخ کر اپنی طرف بلانے لگے۔ ملاّ کی زبان پر جس یہ الفاظ تھے:
"لوگو! یہاں آؤ میں تمہارے لیے ایک خوش خبری لایا ہوں۔" جب اُن کے گرد اچھا خاصا مجمع لگ گیا تو انھوں نے کہنا شروع کیا:
"بھائیو! خوش خبری سننے سے پہلے تم سب میرے شادیانوں کا انتظام کرلو کیونکہ میں جو کچھ سنانا چاہتا ہوں وہ تم میں سے ہر ایک کے لیے اچھی خبر ہے۔"
لوگوں نے سوال کیا:
"انعام ضرور ملے گا۔ آپ بتائیں تو سہی ایسی کون سی خوش خبری ہے جو سب کے لیے ہے؟"
ملاّ نے کہا:
"دوستو! خوب شادیانے بجاؤ۔ اللہ پاک نے تمہارے ملاّ کو ایک چاند سا بیٹا عطا کیا ہے!"

• شکاری کُتاّ

ملاّ نصرالدین عقلمند بہت تھے لیکن ان میں ہمت بہت کم تھی۔ اس لیے جب کوئی معاملہ ایسا سامنے آتا تھا جس میں ہمت کی ضرورت ہوتی تو ملاّ اُس سے کنی کترا جاتے اور دل کو سمجھا لیتے کہ ہر موقع پر ہمت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ سمجھ سے کام لینا چاہیے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ قبرستان میں بیٹھے ہوئے عبادت کر رہے تھے۔ اچانک

ان کی نظر ایک خونخوار کتے پر پڑی جو قریب
ہی ایک قبر کے پاس بیٹھا تھا۔ مُلّا نے یہ سوچا
کہ یہ کتا بڑا بدتمیز ہے جو ان کی عبادت میں
میں خلل ڈال رہا ہے اور مزار کی بھی بے حرمتی
کر رہا ہے۔ چنانچہ یہ سوچ کر انھوں نے دل
مضبوط کرکے اپنا تسبیح ہوا میں لہرایا اور کتے
کو دھتکارا۔ کتا مُلّا کی دھتکار سن کر ان کی طرف
غراتا ہوا لپکا۔ مُلّا دل میں بہت ڈرے۔ انھوں
نے سوچا کہ کہیں کتا خود انھی پر حملہ نہ کر دے۔
بس یہ خیال آنا تھا کہ مُلّا کے حوصلے پست ہوگئے
انھوں نے کتے کو مخاطب کرکے کہا:
"دیکھیے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے اگر آپ مزار
والے بزرگ کے قدموں میں لوٹ رہے ہیں تو
خوشی سے لوٹیے۔ میں اپنے کام میں لگا ہوں۔
بس میری طرف آنے کی کوشش نہ کیجیے گا۔"

• حقیقت یا افسانہ

جس زمانے میں مُلّا نصر الدین قاضی کے عہدے
پر فائز تھے، ان کی عدالت میں ایک بڑا مشکل مقدمہ
پیش ہوا۔ مقدمہ یہ تھا کہ ایک آدمی جس کا کان کٹا
ہوا تھا عدالت میں آیا اور درخواست دی کہ فلاں
شخص نے میرا کان کاٹ لیا ہے اُس کو اس جرم
کی سزا ملنی چاہیے۔ ملزم کا جواب تھا:
"حضور یہ غلط کہتا ہے۔ اس کا کان میں نے نہیں
کاٹا۔ اس نے مجھے پھانسنے کے لیے یہ جھوٹا مقدمہ کھڑا
کیاہے۔ اس نے خود ہی اپنا کان کاٹا ہے۔"
مُلّا نے مدّعی اور ملزم دونوں کے بیان سُننے
کے بعد کہا:
"مقدمے میں گواہوں کی ضرورت ہے۔"
چونکہ موقع واردات پر کوئی گواہ نہ تھا اس لیے
فیصلہ بہت دشوار تھا کہ کان خود مدّعی نے کاٹا
ہے یا ملزم نے۔ مُلّا نے کہا:
"آپ لوگ تھوڑی دیر انتظار کریں۔ میں خوب
اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ سناؤں گا۔"
یہ کہہ کر وہ کھڑے ہوگئے اور عدالت سے لگے
ہوئے آرام کمرے میں چلے گئے۔ وہاں کرسی پر لیٹ
کر مقدمے کے بارے میں سوچنے لگے۔ کچھ دیر تک
ان کی عقل میں کچھ نہ آیا تو انھوں نے اپنا کان خود

اپنے دانتوں سے کاٹنے کی کوشش شروع کر دی۔ کان تو کیا کٹتا البتہ مُلّا کرسی سے نیچے گر پڑے۔ اوندھے منہ گرنے سے اُن کے ماتھے پر خراشیں پڑ گئیں اور خون چھلک آیا۔ کوئی آدھے گھنٹے کے بعد وہ دوبارہ کرسیٔ عدالت پر آ کر بیٹھے تو بڑے اعتماد کے ساتھ کہنا شروع کیا:

"مدعی کے ماتھے کا معاینہ کیا جائے۔ اگر اس کے ماتھے پر خراشیں نظر آئیں تو ملزم کو بے قصور سمجھا جائے۔ ورنہ یہ سمجھ لیا جائے کہ ملزم نے مدعی کا کان کاٹا ہے اور وہی اصل مجرم ہے۔"

• ناقابلِ انتقال

ایک مرتبہ مُلّا کے پڑوس میں ایک ایسا آدمی آ کے بسا جو بڑا نمازی اور پرہیزگار تھا اور دین کا بھی خاصا علم رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ بزرگوں اور اللہ والوں کی باتوں میں بھی بڑی دل چسپی لیتا تھا۔ مُلّا نے سوچا کہ اس شخص میں ایسی تمام خوبیاں موجود ہیں جو اسے اللہ کی راہ پر ڈال سکتی ہیں۔ صرف تھوڑی سی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ

ایک دن وہ اُس آدمی کے پاس پہنچے اور علیک سلیک کے بعد بولے:

"مجھے آپ کی ذات میں کچھ ایسی خوبیاں نظر آئی ہیں جو آپ کو بڑا اونچا مرتبہ عطا کر سکتی ہیں بشرطیکہ آپ ان کی تربیت حاصل کر سکیں۔ میں اس سلسلے میں آپ کی خدمت کر سکتا ہوں۔"

پڑوسی نے جواب دیا:

"مُلّا صاحب! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں تو ایک گناہ گار بندہ ہوں۔ البتہ اگر آپ کی صحبت سے کچھ حاصل کر لوں تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔ آپ جس وقت مناسب سمجھیں میرے پاس آ جائیں۔ پھر اطمینان سے بات چیت ہوگی۔"

مُلّا کو پڑوسی کے اس جواب پر بڑی مایوسی ہوئی۔ انھوں نے اس کے بارے میں جو کچھ سوچ رکھا تھا وہ غلط ثابت ہوا کیونکہ یہ بات ایک آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ تصوف کا علم زبانی جمع خرچ سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے لیے برسوں کی عبادت اور کسی صوفی کامل کی طویل صحبت درکار ہوتی ہے جب کہ پڑوسی صاحب ایک ملاقات اور بات چیت کے ذریعہ

اللہ کی معرفت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مُلّا نے اُن
کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی کے ساتھ
اس کے گھر سے نکل آئے۔

اس واقعہ کو کئی دن گزر گئے۔ ایک دن اچانک
مُلّا نے اس پڑوسی کو چھت پر سے آوازیں دیتے سنا۔
وہ کہہ رہا تھا:

"مُلّا جلدی آؤ۔ میرے چولھے کی آگ بجھی جا رہی
ہے۔ تم آکر پھونک دو۔"

مُلّا نے اپنے گھر ہی سے جواب دیا:

"ہاں ہاں! یہاں آؤ۔ جتنی پھونکوں کی ضرورت ہو
یہاں آکر لے جاؤ۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

• میرا کام نہیں

ایک دفعہ مُلّا نصرالدین کا گدھا چوری ہو گیا۔
انہوں نے فوراً پولیس میں رپٹ لکھوائی تاکہ گدھے
کی تلاش میں آسانی ہو۔ تھانیدار مُلّا سے واقف
تھا۔ اس نے پوری دل چسپی لیتے ہوئے کہا:

"مُلّا صاحب آپ کے گدھے کا کھونا واقعی اہمیت
رکھتا ہے۔ ہم پوری کوشش کریں گے کہ آپ کا گدھا

واپس مل جائے۔ آپ ذرا شروع سے بتایئے تو
کہ یہ کھویا کیسے؟"

مُلّا نے بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"صاحب عجیب بات ہے۔ آپ مجھ سے کہہ رہے
ہیں کہ میں بتاؤں کہ وہ کیسے کھویا؟ اگر میں اس
موقع پر موجود ہوتا تو وہ کھوتا ہی کیوں؟ یہ میرا
کام تو نہیں ہے کہ میں پتہ لگاتا پھروں۔ کیسے کھویا
یہ تو آپ کا کام ہے، آپ جانیں!"

• اُف یہ ڈاکو!

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین اپنے دوستوں کے ہمراہ کہیں
لمبے سفر پر جا رہے تھے۔ راستے میں ایک سنسان مقام
پر کوئی خانقاہ تھی جہاں کوئی انسان موجود نہ تھا۔
اتفاق کی بات اسی رات کو اس خانقاہ میں کچھ صوفیوں
نے بسیرا کیا۔ انہوں نے جب مُلّا کو آتے دیکھا تو
انہیں ٹھگنے کے لیے ایک سوانگ رچایا۔ سب صوفیوں
کا بھیس بدل کر عجیب و غریب آوازیں نکالنے لگے
جس سے دوسروں کو یہ معلوم ہو کہ ملنگ لوگ ہیں
خدا کو یاد کر رہے ہیں۔

ملّا نے سوچا کہ چلو آج کی رات اسی خانقاہ میں قیام کر لیں کیونکہ یہاں چہل پہل بھی ہے اور کچھ اللہ والے لوگ بھی جن کے ساتھ رات اچھی کٹے گی۔ انھوں نے گدھا ایک طرف باندھ دیا اور لڑکے کو اس کے پاس بٹھا کر خود ملنگوں میں پہنچ گئے۔ ان کے گرو نے ملّا سے کہا:

"آپ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں۔"

ملّا بخوشی راضی ہو گئے۔

ڈاکوؤں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑا اور گھیرا باندھ کر ناچنے لگے۔ زبان سے کوئی الٹی سیدھی بات رٹتے جاتے۔ ملّا بھی ان کے بیچ میں وہی حرکتیں کرنے لگے۔ وہ لوگ جو کچھ کہتے وہی ملّا بھی کہتے۔ ڈاکوؤں نے کسی ایک بات پر اکتفا نہ کی۔ کبھی کچھ کہتے تو کبھی کچھ۔ اور برابر ناچتے جاتے۔ اور بالآخر انھوں نے چلّانا شروع کیا:

"گدھا تم کو دیا۔ گدھا تم کو دیا!"

ملّا بھی یہی کہنے لگے۔ ناچتے جاتے اور کہتے جاتے تھے۔ مگر ملّا تھے دُبلے پتلے۔ ڈیڑھ پسلی کے آدمی تھوڑی ہی دیر میں بیہوش ہو کر گر پڑے۔

جب انہیں ہوش آیا تو دیکھا کہ نہ تو وہاں کوئی ملنگ ہے اور نہ ان کا گدھا۔ لڑکا ایک درخت کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ ملّا بھاگے ہوئے اُس کے پاس پہنچے اور ڈانٹ کر کہا:

"ارے کمبخت! گدھا کدھر ہے؟ میں تجھ کو گدھے کے پاس چھوڑ کر گیا تھا۔ تو اس کی تھوڑی دیر بھی حفاظت نہ کر سکا۔"

لڑکے نے جواب دیا:

"ابا جان۔ آپ گدھا میرے سپرد تو کر گئے تھے لیکن تھوڑی دیر بعد ایک صوفی صاحب آئے اور گدھا کھول کر لے گئے۔ میں بھاگا ہوا آپ کے پاس گیا تو آپ چلّا چلّا کر کہہ رہے تھے "گدھا تم کو دیا۔ گدھا تم کو دیا۔" جب میں نے یہ سنا تو مجھے یقین ہو گیا کہ آپ نے صوفی کو گدھا دے دیا ہے۔ اب اتنے صوفیوں کے سامنے آپ کی بات کو غلط کیسے سمجھتا۔ آپ ہی بتائیے میری کیا خطا ہے۔"

• چالاک خریدار

ملّا نصرالدین کے پاس ایک گدھا کافی عرصے سے

تھا۔ وہ اس سے بالکل عاجز آ چکے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی صورت یہ بک جائے۔ تا کہ کوئی اچھا اور تندرست گدھا خرید سکوں۔ ایک دن انھوں نے طے کر لیا کہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ چنانچہ وہ گدھے کو لے کر بازار کی طرف نکل گئے۔ بازار میں ایک مقام پر نیلام گھر تھا جہاں ہر قسم کا نیا اور پرانا سامان نیلام ہوتا تھا۔ مُلّا بھی اپنے گدھے کو نیلام گھر میں لے گئے۔ ان کا خیال تھا کہ اپنے طور پر بیچنے میں کافی وقت لگ جاتا ہے اور پیسے بھی معقول نہیں ملتے۔ آخر نیلام گھر کے مالک سے بات چیت کر کے اپنا گدھا نیلامی پر چڑھا دیا۔ اس نے بولی لگوانے کا اہتمام کیا اور اس سلسلے میں گدھے کی خوب تعریفیں کیں۔ مُلّا نے جو اپنے گدھے کی اتنی تعریفیں سنیں تو ان کا جی للچانے لگا۔ سب سے پہلے بولی پانچ دینار لگی۔ مُلّا سوچنے لگے کہ اتنی خوبیوں والے گدھے کے صرف پانچ دینار لگ رہے ہیں۔ چلو خود ہی خرید لیں۔ اتنی کم قیمت پر ایسا اچھا گدھا بھلا کہاں ملے گا۔

آہستہ آہستہ بولی چڑھنے لگی۔ مُلّا بھی بولی بولتے ہے۔

نیلام گھر کا مالک کہتا جا رہا تھا:

"ارے بھائیو! آگے بڑھو۔ اتنا تندرست، اتنا اونچا اور مضبوط گدھا ہے۔ اس کی قیمت پچاس دینار سے بھی زیادہ ہے۔"

مُلّا تعریفیں سنتے جاتے اور بولی آگے بڑھاتے جاتے۔ یہاں تک کہ آخر میں مقابلہ ایک کسان اور مُلّا کے درمیان رہ گیا۔ بالآخر چالیس دینار پہ بولی ختم ہو گئی اور مُلّا نصرالدین کے نام پر چھوٹ گئی۔ مُلّا نصرالدین نے چالیس دینار جیب سے نکالے اور نیلام والے کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ اس نے اپنا کمیشن جو ایک چوتھائی طے ہوا تھا یعنی دس دینار خود رکھ لیا اور تیس دینار مُلّا کو بحیثیت مالک مع گدھے کے واپس کر دیے۔ مُلّا خوشی خوشی اپنا گدھا لے کر واپس ہوئے۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہے تھے کہ خدا نے کتنا رحم کیا جو اتنی خوبیوں والا گدھا ان کے پاس ہی رہا۔ اگر نکل جاتا تو پھر دوسرا ملنا مشکل تھا۔ راستے میں انھوں نے یہ بھی سوچا:

"میں کس قدر چالاک اور ہوشیار خریدار ہوں جو

کبھی مال خریدنے میں دھوکہ نہیں کھا سکتا۔"

• اچھا شگون

ملّا نصرالدین گدھے کے رینکنے کو اچھا شگون سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ رات کے وقت ملّا کے گھر میں چور آیا۔ اُس نے ملّا کا بکس نکال کر اس میں سے ان کا قیمتی جُبّہ نکال لیا۔ اتفاق کی بات کہ ٹھیک اس وقت ملّا کا گدھا رینکنے لگا۔ ملّا کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اپنے بستر پر لیٹے لیٹے چیخنے لگے۔

"اچھا شگون ہے کوئی اچھی خبر ملنے کو ہے واہ واہ!"

چور نے جب ملّا کا شور و غوغا سنا تو خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔

• بلوغت

ملّا نصرالدین کو اُن کے والدین نے بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔ اُن کی ہر خواہش پوری کی جاتی تھی جس کے نتیجہ میں وہ بہت ضدی ہوگئے تھے اور انہیں ایک عادت یہ پڑ گئی تھی کہ جس کام کو کہا جاتا وہ اس کے خلاف کرتے تھے۔ پہلے تو والدین نے ان کی یہ عادت چھڑانے کی کوشش کی۔ جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تو انھوں نے طے کر لیا کہ مُلّا سے جو کچھ کہنا ہوا کرے گا اُس کا اُلٹ کہیں گے۔ مثلاً اگر مُلّا کو کھانا کھانے کے لیے کہنا ہوتا تو اُن سے کہا جاتا:

"نصرالدین! کھانا نہ کھانا۔"

وہ جھٹ کھانا کھانے بیٹھ جاتے۔ اسی طرح ان سے ہر کام لیا جاتا۔ غرض ان کی عُمر بڑھتی رہی لیکن یہ عادت نہ چھوٹی۔

جب وہ پندرہ برس کے ہوئے تو ایک بڑے مزے کا واقعہ پیش آیا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ بازار جا رہے تھے۔ ساتھ ان کا گدھا بھی تھا جس پر آٹے کی بوری لدی تھی۔ راستے میں ایک دریا پڑتا تھا جس پر ریتوں کا پُل بنا تھا۔ شام ہونے سے پہلے پہلے دونوں باپ بیٹے اس پُل پر پہنچ گئے اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے جب وہ لوگ دریا کے بیچ پہنچے تو اچانک آٹے کی بوری ایک طرف کو جھکنے لگی۔ اتفاق سے اس وقت گدھے کے پاس نصرالدین ہی تھے۔ ان کے والد پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ انھوں نے جب آٹے کی بوری

کرتے دیکھی تو وہیں سے آواز دی :

"بیٹا ! جلدی کرو۔ آٹے کی بوری داہنی طرف زیادہ جھک گئی ہے۔اُسے فوراً اٹھا دو۔"

حقیقت میں بوری بائیں طرف جھکی ہوئی تھی لیکن انھوں نے مُلّا کی ضدی طبیعت کا خیال کرتے ہوئے داہنی طرف کہا تھا۔ مُلّا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ داہنی طرف سے اُوپر اٹھا دی۔ بوری تو پہلے ہی بائیں طرف جھک رہی تھی، وہ پھسل کر دریا میں جا گری۔ باپ بہت ناراض ہوا اور چلّا کر کہا :

"پاگل ! میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بوری داہنی طرف جھک رہی ہے۔"

نصرالدین نے جواب دیا :

"جی ہاں ! اسی لیے میں نے داہنی طرف سے اُوپر اٹھا دیا۔"

باپ نے پھر کہا :

"مگر نصرالدین تم تو ہمیشہ اُلٹے معنی سمجھتے تھے آج سیدھے کیسے سمجھ لیے ؟"

بیٹے نے جواب دیا :

"بابا ! اب میں چودہ برس کا ہو گیا ہوں۔ کیا اب بھی ضدیں کیا کروں۔ اب مجھے ہوش کی باتیں کرنا چاہیے۔ اسی لیے میں نے آپ کے حکم پر عمل کیا۔"

• خواہش کی قیمت

مُلّا نصرالدین کے دل میں ایک خواہش بہت مدت سے تھی کہ کبھی اپنی بھینس کے سینگوں کے بیچ میں بیٹھ جائیں۔ اُن کی بھینس کے سینگوں کے درمیان فاصلہ بہت تھا۔ وہ سوچتے ہی رہتے تھے مگر ہمت نہ پڑتی تھی۔ ایک دن دوپہر کے وقت انھوں نے دیکھا کہ بھینس آنکھیں بند کیے بیٹھی ہے۔ انھوں نے سوچا کہ اس وقت سینگوں کے بیچ میں بیٹھنا آسان ہے۔ چنانچہ وہ ایک دم چھلانگ لگا کر اپنی پسند کی جگہ جا بیٹھے۔ اُن کا بیٹھنا تھا کہ بھینس گھبرا کر کھڑی ہو گئی اور اپنی گردن کو اِس زور کا جھٹکا دیا کہ مُلّا اُچھل کر دُور جا گرے۔ اتفاق سے ان کی بیوی وہیں کھڑی تھی۔ اس نے اور تو کچھ دیکھا نہیں بس یہ سمجھی کہ مُلّا کو بھینس نے گرا دیا۔ لہٰذا وہ رونے پیٹنے لگی۔ مُلّا کو جب ذرا سکون ہوا تو انھوں نے سر اٹھا کر بیوی سے کہا :

"چپ ہو جاؤ۔ رونے کی کیا ضرورت ہے۔ سزا تو مجھے خود اپنے کیے کی ملی ہے۔ پھر کسی خواہش کو پورا کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ قیمت تو ادا کرنی ہی ہوتی ہے!"

• پریشانی کب شروع ہوتی ہے

ایک مرتبہ مُلّا کا گدھا لاپتہ ہو گیا۔ مُلّا نے جس سے بھی کہا اُس نے تلاش شروع کر دی۔ پاس پڑوس میں دیکھنے کے بعد لوگوں نے سارا گاؤں چھان مارا لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔ کسی نے مُلّا سے پوچھا:

"مُلّا۔ لوگ آپ کا گدھا تلاش کر رہے ہیں لیکن آپ گھر سے بھی نہ نکلے اور آپ کے چہرے پہ پریشانی کے بھی کچھ آثار نہیں ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ آپ کا گدھا اب کبھی نہ مل سکے گا؟"

مُلّا نے بڑے اطمینان سے جواب دیا:

"دیکھو وہ سامنے پہاڑی ہے۔ کوئی تلاش کرنے والا ابھی تک اس پر نہیں گیا ہے۔ جب اس پہاڑی کا بھی کونا کونا تلاش کر لیا جائے گا اور وہاں بھی نہ ملے گا تب میری پریشانی شروع ہوگی۔"

• ورنہ ——!

ایک دفعہ مُلّا کے گدھے کی پیٹھ پہ رکھا جانے والا تھیلا کہیں کھو گیا۔ مُلّا نے چیخنا شروع کر دیا:

"دیکھو ہمارا تھیلا لا دو ورنہ۔ دیکھو ہمارا تھیلا ڈھونڈ کے لا دو ورنہ!!"

وہ چیختے ہوئے گھر سے نکل گئے اور بازاروں میں شور مچاتے ہوئے دوڑنے لگے۔ یار دوست اور دوسرے لوگ بہت ڈرے کہ آج مُلّا کو کیا ہو گیا ہے۔ غصّے میں خدا جانے کیا کر بیٹھیں۔ چنانچہ سب ان کے تھیلے کی تلاش میں لگ گئے۔ آخرکار تھیلا مل گیا اور اُن کو لا کر دے دیا گیا۔ جب تھیلا مل گیا تو کچھ لوگ ان کے پاس پہنچے۔ کسی نے مُلّا سے پوچھا:

"اگر آج تھیلا نہ ملتا تو آپ کیا کرتے؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"کرتا کیا؟ دوسرا تھیلا بنواتا —— اور آپ لوگ کیا سمجھے؟"

• لمبائی

مُلا کے ایک دوست کے پاس ایک گھوڑا تھا۔ وہ گھوڑے سے بڑی محبت کرتا تھا اور ہر وقت اُسی میں لگا رہتا تھا۔ ایک دن اس نے اپنے گھوڑے کی دُم چھوٹی کرنا چاہی اور اس سلسلے میں مُلا سے مشورہ کیا۔ مُلا نے جواب دیا:

"یہ بھی کوئی سوال میں سوال ہے۔ اجی ہر چیز لمبی ہے اور ہر چیز چھوٹی ہے۔ آپ جسے لمبا کہتے ہیں دوسرا چھوٹا کہہ سکتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ جسے آپ آج بہت لمبا کہیں کچھ عرصے کے بعد اس کو بہت چھوٹا کہہ دیں۔ اس لیے لمبے اور چھوٹے کے چکر میں نہ پڑیں۔ اپنی مرضی پہ عمل کریں۔"

• دھرنا

ایک دن صبح کے وقت جب لوگ اپنے اپنے کاموں پر جانے کے لیے گھروں سے نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مُلا نصرالدین سڑک کے بیچوں بیچ بیٹھے ہوئے ہیں اور سواریاں، گاڑیاں ان کے قریب سے گزر رہی ہیں۔ اتفاق سے ان کے کسی دوست کی نظر پڑ گئی۔ اُس نے آگے بڑھ کر پوچھا:

"کیا بات ہے مُلا، یہ آج سڑک پہ دھرنا دے کر کیوں بیٹھ گئے ہیں جناب؟ کیا خودکشی کرنے کا ارادہ ہے؟"

مُلا نے جواب دیا:

"خودکشی کیسی، خودکشی تو بزدل کرتے ہیں۔ میں تو اس لیے بیٹھا ہوں کہ اب سے شام تک یہاں پہ کوئی نہ کوئی حادثہ تو ضرور ہوگا اور میری خواہش پوری ہو جائے گی۔"

دوست نے پھر پوچھا:

"کیسی خواہش؟"

مُلا نے جواب دیا:

"بھائی مجھے ایک عرصے سے تمنا ہے کہ کوئی حادثہ بہت قریب سے دیکھوں۔ اب تک یہی ہوتا آیا ہے کہ جہاں کوئی حادثہ ہوا ایک جمِ غفیر اس کے گرد لگ گیا۔ میں نہ تو مجمع میں گھس پاتا ہوں اور نہ قد ہی اتنا اونچا ہے کہ اوپر سے دیکھ لوں اسی لیے آج پہلے سے بیٹھا ہوں کہ حادثہ میرے

نزدیک ہی ہو اور آدمی بعد میں اکٹھا ہوں تاکہ
مجھے دیکھنے میں زحمت نہ ہو۔

• حقیقت پسندی

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین کو کسی نے ایک پگڑی کا
کپڑا بطور تحفہ دیا۔ مُلّا خوشی خوشی لے کر گھر آئے۔ گھر
پہنچ کر انھوں نے پگڑی باندھنے کی کوشش کی تو معلوم
ہوا کہ کپڑا کافی کم ہے اور اس کو پگڑی نہیں بنایا
جا سکتا۔ انھوں نے اُس وقت تو اُسے اُٹھا کر رکھ
دیا اور کچھ دن بعد پھر باندھنے کی کوشش کی لیکن
پھر وہی نتیجہ نکلا۔ آخر وہ عاجز آگئے تو اُنھوں نے
اُسے نیلام کرنے کا ارادہ کر لیا۔
نیلام کرنے والے نے جب اُس کپڑے کی تعریفیں
شروع کیں تو انہیں بڑا غصّہ آیا۔ انھوں نے سوچا
کہ یہ لوگ بھی کتنے جھوٹے ہوتے ہیں۔ اک ذرا
سا موٹا کپڑا ہے لیکن یہ شخص اُس کی تعریفوں
کے پُل باندھ رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد بولی
ایک جگہ آ کر ٹھہر گئی اور کسی شخص کے نام پر
چھوٹنے والی تھی۔ مُلّا نے محسوس کیا کہ ایک ایسی
پگڑی جس نے انھیں سخت پریشان کیا وہ اتنی
زیادہ قیمت پر نیلام ہو رہی ہے تو اُن سے
برداشت نہ ہو سکا۔ وہ چپکے سے اپنی جگہ سے
اٹھے، آہستہ آہستہ بولی لگانے والے کے پاس
پہنچے اور اُس سے کہنے لگے:
"اماں کیوں پیسے پھینکنے پر تُلے ہوئے ہو۔ یہ
پگڑی نام کی ہے۔ بس تھوڑا سا کپڑا ہے۔ میں نے
اُس کو باندھنے کی لاکھ کوشش کی لیکن کوئی فائدہ
نہ ہوا۔ ایسی خراب پگڑی پر پیسے لگانے سے فائدہ!"

وقت کی کمی

ایک دن مُلّا نصرالدین کو کسی شخص سے ملنے
کے لیے دوسرے گاؤں جانا تھا۔ جب وہ دن
آیا تو مُلّا بھول گئے کہ اُنھوں نے کسی سے ملنے کا
وعدہ کر رکھا ہے۔ بہر حال وقت مقررہ سے
کچھ دیر پہلے انھیں یاد آیا۔ فوراً اُٹھے اور غسل خانے
میں گھس گئے۔ وہاں سے نہا کر نکلے تو کپڑے پہننا
بھول گئے اور ننگے مادر زاد بھاگنے لگے۔ راستے
میں کسی نے آواز دے کے پوچھا:

"مُلّا! کیا غضب کر رہے ہو! کپڑے کیوں نہیں پہنے؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"کوئی خاص بات نہیں۔ میں ذرا جلدی میں تھا اس لیے کپڑے اٹھانا بھول گیا۔ مگر مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے کچھ تو پہنا ہی تھا۔ کیا تمہیں بالکل ننگا نظر آ رہا ہوں"

درخت پر سڑک

مُلّا کے گاؤں کے لڑکے بھی ان سے خوب مزہ لیتے تھے۔ اور تعریف کی بات یہ ہے کہ مُلّا خود بھی بچوں سے خوش ہوتے تھے اور ان کی کسی بات کا بُرا نہ مانتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے، کچھ لڑکوں نے طے کیا کہ مُلّا کی جوتیاں غائب کی جائیں۔ چنانچہ وہ مُلّا کے قریب آئے اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ سامنے والے درخت پر کوئی نہیں چڑھ سکتا۔ بچوں کا خیال تھا کہ مُلّا کو یہ جملہ سن کر ضرور جوش آئے گا اور وہ جوتیوں کو نیچے چھوڑ کر درخت پر چڑھنے لگیں گے۔ لیکن بچوں

کی آدھی بات صحیح ہوئی اور آدھی غلط۔ مُلّا نے جب بچوں کو باتیں کرتے سنا تو بولے:

"درخت پر چڑھنا بھی کوئی مشکل کام ہے۔ تم میں سے ہر ایک چڑھ سکتا ہے۔ بس ذرا سی مشق کی ضرورت ہے۔ دیکھو میں چڑھ کر دکھاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے جوتیاں اُتار کر نیفے میں اُڑس لیں اور درخت پر چڑھنا شروع کر دیا۔

کسی لڑکے نے چلّا کر پوچھا:

"مُلّا جی درخت پر جوتیوں کا کیا کام۔ انھیں نیچے چھوڑ دیجیے۔"

مُلّا نے جواب دیا:

"بچو! تم نہیں سمجھتے۔ انسان کو ہر وقت ہر صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ممکن ہے۔ درخت پر کوئی سڑک ہی مل جائے!"

• زمین کے نیچے زمین کے اوپر

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بادشاہ کا ایک افسرِ خاص، جو بڑا ہی لالچی اور ظالم تھا، اپنے اثر و رسوخ کے بل پر عدالت سے یہ اجازت لے آیا کہ مُلّا

کی زمین پر جو فصل اُگ رہی ہے وہ اس میں
آدھا ساجھا کرے گا۔ عدالت کے منشی نے اجازت نامہ
لکھتے وقت اس سے پوچھا کہ تمہیں مُلّا کی کاشت میں
سے کتنا حصّہ چاہیے؟ اس نے جواب دیا:
"جو کچھ زمین کے اُوپر ہے وہ سب ہمارا اور
جو زمین کے اندر ہے وہ مُلّا کا۔"
منشی نے یہی الفاظ لکھ دیے اور خط کو لفافے
میں رکھ کر مہر لگا دی۔ شاہی افسر وہ مہر بند خط
لکھ کے مُلّا کے پاس پہنچا۔ مُلّا نے لفافہ کھول کر اس
کا مضمون پڑھا تو چہرے پر مسکراہٹ دوڑنے لگی۔
افسر نے پوچھا:
"اس سال آپ نے کس چیز کی کاشت کی ہے؟"
مُلّا نے جواب دیا:
"گاجر کی۔"
افسر بہت سٹپٹایا لیکن کر بھی کیا سکتا تھا۔
عدالت سے تو وہ یہی لکھوا کر لایا تھا کہ جو کچھ
زمین کے اُوپر ہے وہ ہمارا ہے۔ جب دوسری
فصل پکنے کے دن قریب آئے تو وہ افسر پھر
اجازت نامہ لے کر آ پہنچا۔ اب کے اُس نے یہ
لکھوایا تھا:
"جو کچھ زمین کے نیچے ہے وہ سب ہمارا ہے،
زمین کے اُوپر آپ کا ہے۔"
اُس نے آتے ہی مُلّا سے پوچھا:
"اب کی بار آپ نے کیا بویا ہے؟"
مُلّا نے بڑے اطمینان سے جواب دیا:
"گندم!"
لالچی افسر کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

• ایک کا اثر دوسرے پر

ایک مرتبہ مُلّا کو بیٹھے بیٹھے نہ جانے کیا سوجھی کہ
انھوں نے اپنے گاؤں کے کسی کسان کا بیل چُرا لیا۔
گھر لا کر اُس کو ذبح کیا اور کھال اُتار لی۔ بیل
کے مالک کو پتہ چل گیا۔ وہ روتا پیٹتا مُلّا کے
مکان پر پہنچا اور چیخ چیخ کے سارا گھر سر پر اُٹھا
لیا۔ مُلّا نے جو یہ شور و غل سنا تو اطمینان سے بولے:
"بھئی خوب رہی! کس طرح ایک بات کا اثر
دوسری پر پڑتا ہے۔ کھال تو اتاری بیل کی، چلّا
رہا ہے بیل کا مالک۔ گویا اسی کی کھال اتاری

ہو میں نے۔"

• پیچھے والے سے پوچھو!

ایک دن مُلاّ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاق سے ان کی قمیص کا پچھلا دامن پاجامے کے اندر دب گیا جو دیکھنے میں بہت بُرا لگ رہا تھا ایک آدمی نے جو اُن کے پیچھے کھڑا ہوا تھا، دامن کھینچ کر باہر نکال دیا۔ مُلاّ کو جب یہ محسوس ہوا کہ ان کا دامن کسی نے کھینچا ہے تو انھوں نے بھی جھٹ اپنے سامنے والے کی قمیص کا دامن کھینچ لیا۔ سامنے والے نمازی نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پوچھنے لگا:

"یہ کیا کر رہے ہو؟"

مُلاّ نے جواب دیا:

"آپ یہ سوال مجھ سے نہ پوچھیے۔ میرے پیچھے والے آدمی سے پوچھیے کیونکہ اُسی نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے۔"

• خدا کا شکر ہے، میں نہ بولا

ایک مرتبہ مُلاّ مسجد میں جماعت سے نماز ادا کر رہے تھے۔ اتفاق سے اُن کے برابر والے آدمی نے نماز کے دوران ہی کہنا شروع کر دیا:

"اوہ! غالباً میں چولھے میں آگ جلتی چھوڑ آیا۔"

دوسرے آدمی نے اُس کو ٹوکا اور کہا:

"بُری بات ہے نماز پڑھتے میں نہیں بولتے۔ اس سے نماز جاتی رہتی ہے۔"

تیسرے نے کہا:

"پھر تم دونوں کی نماز جاتی رہی۔ اب پھر سے پڑھنی پڑے گی۔"

مُلاّ جو اب تک خاموش کھڑے تھے بول پڑے:

"خدا کا شکر ہے تم سب بولے لیکن میں نہ بولا۔"

• مُرغیوں میں مُرغا

مُلاّ نصرالدین ہر جمعہ کو ایک حمام میں نہانے جایا کرتے تھے۔ ایک دن کچھ لڑکوں کو مذاق سوجھا۔ انھوں نے کچھ انڈے خریدے اور مُلاّ کے آنے سے پہلے حمام میں آ کر بیٹھ گئے۔ جونہی مُلاّ آئے اُنھوں نے مُلاّ کو گھیر لیا اور کہا:

"مُلاّ جی! آج ایک کھیل ہو جائے۔ ہم سب یہ تصوّر

کریں کہ ہم مرغیاں ہیں۔ اور اسی تصوّر کے ساتھ ایک
ایک کونے میں انڈا دینے کے لیے بیٹھ جائیں۔ ہم
میں سے جو بھی انڈا نہ دے سکے وہ حمام میں غسل
کی قیمت سب کی طرف سے ادا کرے۔"
مُلاّ راضی ہوگئے۔ چند ہی لمحوں میں سب لڑکے
اور مُلاّ انڈا دینے کے لیے الگ الگ بیٹھ گئے۔
لڑکوں نے کیا کیا کہ تھوڑی دیر بعد ایک ایک انڈا
اپنے نیچے رکھ لیا۔ مُلاّ یونہی بیٹھے رہے۔ جب کافی
وقت گزر گیا تو سب لڑکے کھڑے ہوگئے اور اپنا
اپنا انڈا مُلاّ کے پاس لے گئے۔ پھر اُن سے پوچھا کہ
آپ کا انڈا کہاں ہے؟ مُلاّ نے جواب دیا:
"کیسا انڈا؟ کیا اتنی مرغیوں کے بیچ میں ایک مرغا
بھی نہ ہوتا!"

• اللہ ہی دے گا

ایک دن ایک آدمی مُلاّ کے پاس آیا اور اُن
سے کہا:
"مُلاّ! میرا بڑا نقصان ہوگیا۔ پتہ نہیں کس نے
میرے بیس دینار چرا لیے۔ اب مہینے کا خرچ کس
طرح پورا کروں گا؟"
مُلاّ نے تسلّی دیتے ہوئے کہا:
"گھبراؤ نہیں، اللہ اور دے گا۔"
آدمی کو یقین نہ آیا۔ اُس نے سوچا کہ مُلاّ یونہی
بہلا رہے ہیں۔ مُلاّ بھی اس کی حالت کو بھانپ گئے
اور بولے:
"اچھا تمہیں میری بات پر یقین نہیں آیا۔ چلو ابھی
میرے ساتھ مسجد۔ پھر تمہیں بتائیں کہ خدا دیتا ہے یا
نہیں۔"
دونوں آدمی مسجد پہنچ گئے۔ مسجد میں داخل ہو کر
مُلاّ نے فرش پر لوٹنا شروع کر دیا اور چیخ چیخ کر کہے
جاتے تھے:
"اے اللہ پاک! اس آدمی کے بیس دینار عطا
کر دے۔ یہ بہت غریب آدمی ہے۔"
مُلاّ کی اس حرکت کو دیکھ کر دوسرے نمازی
بہت پریشان ہوتے۔ کسی نے کہا:
"اس مُلاّ کو نکالو مسجد سے۔"
کوئی بولا:
"غریب آدمی ہے۔ اس کی رقم مل جل کر پوری

کر دو۔ آپ چلا جائے گا۔"

یہ بات ذہن میں آتے ہی نمازیوں نے چندہ شروع کر دیا اور تھوڑی ہی دیر میں بیس دینار اکٹھا کرکے مُلّا کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ مُلّا نے وہ رقم اس آدمی کے حوالے کر دی۔ اُس آدمی کو بڑا تعجب ہوا۔ مُلّا بولے:

"اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ میں نہ کہتا تھا کہ اللہ دینے والا ہے۔ اس کے دینے کے مختلف ہاتھ ہیں۔ تم یہ نہ دیکھو کہ کس طرح دیے بس یہ دیکھو کہ تمہاری رقم تم تک پہنچ گئی۔"

• مُلّا کا مدرسہ

کسی زمانے میں مُلّا نصیرالدین نے ایک مدرسہ کھول رکھا تھا۔ اس میں ایک سے ایک شریر لڑکا داخل تھا۔ ایک مرتبہ جب مُلّا تاریخ کا سبق پڑھا رہے تھے کسی لڑکے نے سوال کیا:

"مُلّا جی! فرض کیجیے کہ تین آدمی ہیں۔ ایک وہ ہے جس نے بہت بڑی سلطنت قائم کی، دوسرا وہ جو بہت بڑی حکومت کا بادشاہ بن سکتا تھا لیکن نہ بنا، تیسرا وہ جس نے دوسرے کو بادشاہ بننے سے روک دیا۔ ان میں سب سے بڑا کارنامہ کس نے انجام دیا؟"

مُلّا نے اس سوال کا جواب اس طرح بے سوچے دیا جیسے کہ وہ اس کے لیے پہلے سے تیار تھے۔ وہ بولے:

"مجھے کچھ پتہ نہیں کہ کس کا کارنامہ بڑا ہے اور کس کا چھوٹا ـــــ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ ایک کام ان سب کاموں سے زیادہ مشکل ہے۔"

لڑکوں نے پوچھا:

"وہ کون سا؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"دُنیا کے ہر کام سے زیادہ مشکل تم جیسے لڑکوں کو پڑھانا ہے۔"

• سیر کو سوا سیر

ایک دن ایک سوار سڑک پر جا رہا تھا۔ دوسری طرف سے مُلّا بھی چلے آ رہے تھے۔ سوار نے جو مُلّا کو دیکھا تو ایک دم آواز لگائی:

"اے مُلّا! اے مُلّا! اے مُلّا! دارالحکومت کو
کون سا رستہ جاتا ہے؟"
مُلّا نے تعجب سے پوچھا:
"وہ تو میں بتا دوں گا، پہلے آپ یہ بتائیں کہ
آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں مُلّا ہوں؟"
سردار نے نصرالدین کو یونہی مذاق میں مُلّا کہہ
دیا تھا۔ جب اُسے پتہ چلا کہ مُلّا کو اِسی نام سے
پکارا جاتا ہے تو اُس نے شیخی بگھارتے ہوئے کہا:
"اجی صاحب! میرے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں
میں لوگوں کے دماغ پڑھ لیتا ہوں۔"
مُلّا نے فوراً جواب دیا:
"اچھا تو پھر بتائیے کہ میرے دماغ میں دارالحکومت
کو جانے والا راستہ کون سا ہے؟"

• چور کی ڈاڑھی میں تنکا

ایک دفعہ کا ذکر ہے مُلّا نصرالدین کسی خانقاہ
میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اتفاق سے کسی بات پر ان
کی خانقاہ کے شیخ سے تُو تُو میں میں ہو گئی۔ مُلّا
غم کھانا تو جانتے ہی نہ تھے۔ خود بھی ترکی بہ ترکی

جواب دینے لگے۔ بہرحال اُس وقت بات ختم ہو گئی
کچھ دنوں کے بعد خانقاہ سے ایک بوری چاول
چوری ہو گئے۔ شیخ کو بڑا تعجب ہوا اور افسوس بھی۔
لیکن پتہ لگوانے کے لیے اُس نے اعلان کر دیا کہ
جس کسی نے چاول چرائے ہیں اُس کی ڈاڑھی میں
دو چار دانے چپکے ہوئے ہیں۔ چور نے جب یہ اعلان
سنا تو مطمئن ہو گیا۔ اُس نے سوچا کہ یہ تو پُرانی ترکیب
ہے 'چور کی ڈاڑھی میں تنکا'۔ اِس لیے اُس نے اپنی
ڈاڑھی نہ چھوئی۔ اِدھر مُلّا کا مارے ڈر کے بُرا حال تھا
انھوں نے فوراً اپنی ڈاڑھی کو نوچنا شروع کر دیا۔
تاکہ اگر ایک دانہ بھی مل جائے تو چپکے سے گرا
دیں۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ مُلّا اپنی ڈاڑھی چھُو رہے
ہیں تو سب سمجھ گئے کہ انھی کی حرکت ہے۔ مُلّا نے
زور دار آواز میں کہا:
"اب کہاں تک ڈاڑھی سے ہاتھ الگ رکھوں۔
پھر میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ آج نہیں تو
کل مجھے پکڑ لیا جائے گا۔"

• منطقی دلیل

کسی نے مُلّا سے پوچھا:

"مُلّا آپ کی عمر کیا ہے؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"میں اپنے بھائی سے تین سال بڑا ہوں۔"

اُس نے پھر پوچھا:

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ اپنے بھائی سے تین سال بڑے ہیں؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"پچھلے سال میں نے اپنے بھائی کو کسی دوست سے کہتے سنا تھا کہ میں اُس سے دو سال بڑا ہوں چونکہ اس بات کو ایک سال گزر گیا اس لیے لامحالہ میں تین سال بڑا ہو گیا اور کچھ ہی دنوں بعد اُس کا پردادا بن جاؤں گا۔"

• سچا گواہ

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین کے پڑوسی نے اُن سے کہا کہ ذرا میرے مقدمے میں گواہی دے دو۔ پڑوسی

کا کسی دوسرے آدمی سے اناج کے بارے میں مقدمہ چل رہا تھا۔ دوسرا آدمی گیہوں اپنے بتاتا تھا جبکہ پڑوسی کا کہنا تھا کہ ہمارے ہیں۔ مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش تھا۔ چنانچہ ایک دن مُلّا گواہی کے لیے عدالت میں حاضر ہوئے۔ قاضی نے مُلّا سے پوچھا:

"کیا تمہارے پڑوسی کا اناج تمہارے سامنے غائب ہوا تھا؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"جی ہاں میں نے اپنی آنکھوں سے جَو کے بورے غائب ہوتے دیکھے۔"

"مگر مسئلہ تو گیہوں کے بوروں کا ہے" قاضی نے مُلّا کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"حضور! اس بحث میں پڑنے سے کیا فائدہ؟ جَو ہوں یا گیہوں، مجھے تو صرف یہ کہنا ہے کہ میرا پڑوسی حق پر ہے۔ اگر میں جھوٹا گواہ ہوتا تو جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں وہی کہہ دیتا۔ میں سچا آدمی ہوں اور وہی کہوں گا جسے سچ سمجھتا ہوں۔"

• ذہین بیٹا

ایک دن مُلّا کے چھوٹے بیٹے نے اُن سے توتلی زبان میں کہا:

"ابا! مجھے وہ دن یاد ہے جب آپ پیدا ہوئے تھے۔"

مُلّا نے جو کمسن بیٹے کی بات سنی تو مارے خوشی کے اچھل پڑے اور بیوی سے مخاطب ہو کے بولے:

"دیکھا تم نے کریمہ! میں نہ کہتا تھا کہ میرا بیٹا بھی میری ہی طرح ذہین نکلے گا۔ آج اُس نے ثابت کر دیا۔"

• تجھ کو پرائی کیا پڑی

مُلّا کے گاؤں میں ایک صاحب ایسے بھی رہتے تھے جو ہر معاملے میں ٹانگ اڑانے کے عادی تھے۔ ایک دن وہ دوڑے ہوئے مُلّا کے پاس پہنچے اور مُلّا کی شکل دیکھتے ہی چلّا کر بولے:

"نصرالدین! نصرالدین! آپ کے لیے خوش خبری لایا ہوں۔"

مُلّا اُس کی عادت کو پہلے سے جانتے تھے اس لیے اُس کی بات کا ذرا بھی اثر قبول نہ کیا بلکہ کھسیانی آواز میں پوچھا:

"کہو، کون سی خوش خبری لائے ہو؟"

"آپ کے پڑوس میں کیک بننے کی خوشبو آ رہی ہے۔"

"پھر میں کیا کروں؟"

"وہ غالباً آپ کو بھی بھیجیں گے۔"

"اگر وہ مجھے بھیجیں گے تو پھر آپ کیوں اتنا پریشان ہیں؟"

• نجومی گدھا

ایک بار مُلّا نصرالدین کے پڑوس میں ایک ایسا آدمی آ بسا جو بڑا سخت اور ظالم تھا۔ ایک دن وہ مُلّا کے پاس آیا اور اُن سے گدھا مانگ بیٹھا۔ مُلّا اپنے گدھے سے بڑی محبت کرتے تھے اور کسی اور کو کبھی نہ دیتے تھے۔ پڑوسی کے مانگنے پر وہ بہت سٹپٹائے اور کچھ دیر تک سوچنے کے بعد بولے:

"بہتر ہے جناب! آپ میرا گدھا بخوشی لے جا

سکتے ہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن میں ذرا
اُس سے بھی پوچھ لوں۔ کیونکہ جائے گا تو وہ ہی۔"
پڑوسی نے کہا:
"جی ہاں آپ پوچھ لیجیے۔"
نصرالدین اپنے اصطبل میں گئے اور چند لمحوں
بعد واپس آکر پڑوسی سے کہنے لگے:
"بھائی بڑا افسوس ہے۔ وہ کسی قیمت پر آپ
کے ساتھ جانے پر رضامند نہیں ہے۔"
پڑوسی نے پوچھا:
"آخر بات کیا ہے؟"
مُلاّ نے جواب دیا:
"بات دراصل یہ ہے کہ میرا گدھا نجومی ہے۔
اُس نے اپنے علم سے یہ معلوم کر لیا ہے کہ اُس
کے اور آپ کے معاملات ٹھیک نہ رہ سکیں گے۔
اس لیے جانے سے گریز کر رہا ہے۔ مجھے اُمید
ہے کہ آپ خیال نہ کریں گے۔"
پڑوسی نے پھر پوچھا:
"لیکن یہ تو بتائیے کہ گدھے نے میرے بارے میں
کیا سوچا ہے؟"

مُلاّ نے جواب دیا:
"اُس نے یہی سوچا ہے کہ اگر وہ آپ کے ساتھ
رہا تو اُسے لمبی مسافتیں طے کرنی ہوں گی۔ کھانا
بہت کم ملے گا اور ہڈیاں تھک کر چور ہو جائیں گی۔
ممکن ہے گھٹنے بھی زخمی ہو جائیں۔"

• بدقسمت چور

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ رات کے وقت مُلاّ
کی بیوی کی آنکھ کھل گئی۔ وہ آنکھیں کھولے لیٹی
ہی تھیں کہ دروازہ پیٹنے کی آواز سنائی دی۔ انھوں
نے جلدی سے مُلاّ کو جگایا اور اُن سے بولیں:
"غور سے سنو۔ معلوم ہوتا ہے کوئی چور گھسنا چاہتا
ہے۔"
مُلاّ نے جواب دیا:
"اس میں گھبرانے کی کون سی بات ہے۔
چور سے تو برکت ہوگی۔ تم جانتی ہو گھر میں
کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ لے بھی جائے گا تو آخر
کیا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ چھوڑ کر ہی
جائے گا۔"

• گڑبڑ

ایک دن سڑک پر ایک فقیر جا رہا تھا جو یہ صدا لگاتا جاتا تھا:

"جو پیدا ہوا ہے وہ ناپید بھی ہوگا۔ مگر یہ خدا ہی جانتا ہے کہ انسان کہاں سے آتا ہے اور کہاں جاتا ہے!"

مُلّا نصرالدین نے جو فقیر کی صدا سنی تو دوڑے بھاگے اُس کے پاس گئے اور کہنے لگے:

"بابا یہ تو واقعی کوئی نہیں جانتا کہ انسان کہاں جاتا ہے اور کہاں سے آتا ہے لیکن اتنا یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ معاملہ ہے ضرور کچھ گڑبڑ!"

قریب ہی کھڑے ہوئے کسی آدمی نے پوچھا:

"یہ آپ کیوں کہہ رہے ہیں؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"یہ بات ہم اپنے مشاہدے کے بل پر کہہ رہے ہیں۔ آپ نے کبھی دیکھا ہوگا کہ جب بچّہ ہوتا ہے تو روتا ہوا آتا ہے اور جب اس دنیا سے رخصت ہونے لگتا ہے تب بھی روتا کراہتا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہاں سے جانا نہیں چاہتا۔"

• خیال کی خوشبو!

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مُلّا کے پاس ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ وہ اس خیال میں غرق ایک کمرے میں کمبل اوڑھے لیٹے تھے کہ آج کھانا کیسے پک سکے گا ــــ اس خیال کے ساتھ انہیں ایک قسم کا اطمینان بھی محسوس ہوا کہ کم از کم آج تو پڑوسن کی لڑکی سالن مانگنے نہ آئے گی۔ روزانہ تو یہ ہوتا تھا کہ جہاں سالن بھننے کی خوشبو اُڑی اور پڑوسن تاڑ گئی کہ مُلّا کے ہاں سالن پک رہا ہے۔ تھوڑی دیر میں دیکھو تو اس کی لڑکی کٹورہ لیے کھڑی ہے۔

یہ بات سوچتے سوچتے، ان کے ذہن میں کئی قسم کے سالن، اُن کے ذائقے اور خوشبوؤں کا خیال گردش کرنے لگا ــــ اسی دوران دروازے پر دستک ہوئی۔ جا کر دروازہ کھولا تو دیکھا، پڑوسن کی لڑکی سالن مانگنے آئی ہے۔ نصرالدین نے اُسے دیکھتے ہی کہا:

"بھئی کمال ہے، ہمارے پڑوسی تو خیال کی خوشبو بھی سونگھ لیتے ہیں۔"

• نقلِ مکانی

ایک مرتبہ مُلّا کے یہاں کوئی چور آیا۔ مُلّا نے چور کو چوری کرتے دیکھ لیا مگر وہ اس سے کچھ نہ بولے۔ بس اس کی شکل دیکھتے ہی گھر سے باہر نکل گئے اور گلی کے نکڑ پر کھڑے ہو کر اُس کا انتظار کرنے لگے۔ جب چور تمام مال و اسباب لے کر جانے لگا تو مُلّا بھی اُس کے پیچھے پیچھے ہو لیے اور چور کے گھر پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے فرش پر ٹانگیں پھیلائیں اور آنکھیں بند کر لیں۔ چور نے مُلّا کو زمین پر لیٹا دیکھا تو وہ قریب آیا۔ انہیں جگایا اور کہنے لگا:

"کون ہو تم؟ یہاں کس لیے آئے ہو؟"

مُلّا نے پورے اطمینان سے جواب دیا:

"اماں اتنی جلدی بھول گئے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو ہم دونوں اس مکان کو کھسکا کر یہاں لائے ہیں۔"

وقت کی بات

ایک مرتبہ مُلّا کا ایک پڑوسی اُن کے پاس آیا اور بولا:

"بھائی صاحب! ذرا اپنی رسّی تو دے دیجیے۔ کپڑے دھو کر سُکھانا ہیں۔"

مُلّا نے فوراً جواب دیا:

"نہیں۔ ابھی نہیں دے سکتا، ابھی وہ میرے استعمال میں ہے۔"

پڑوسی نے رسّی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"مگر میں تو دیکھ رہا ہوں، وہ زمین پر پڑی ہے۔"

مُلّا نے بھی جواب دے مارا "جی اس کا یہی استعمال ہے۔"

پڑوسی نے پھر پوچھا: "تو جناب یہ کتنے دن تک آپ کے استعمال میں رہے گی؟"

"جب میں یہ سمجھ لوں گا کہ اس کو دینے سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔" مُلّا نے جواب دیا۔

• بیوی کے نام کا

ایک دن کا ذکر ہے مُلّا نصرالدین اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے مرغِ مسلّم کھا رہے تھے۔ اُن کا کمرہ سڑک کے برابر تھا اس لیے کھڑکی سے باہر آنے جانے والا نظر آتا تھا۔ اتفاق سے اس وقت کوئی

فقیر سڑک پر سے گزر رہا تھا۔ اس کی نظر مرغ مسلّم پر پڑ گئی۔ وہ کھڑکی کے قریب آیا اور مُلّا سے مخاطب ہو کر خوشامدیں کرنے لگا:

"بابا! تھوڑا سا گوشت مجھے بھی دے دو۔ کل سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ خدا تمھیں بہت دے گا۔"

مُلّا نے فقیر کی صدا سُنی تو بولے:

"بابا میں خود ہی بڑا فیاض ہوں۔ کسی سائل کو بغیر کچھ دیے نہیں جانے دیتا۔ لیکن اس وقت مجبور ہوں۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں اپنے حصّے کا مرغ تمہارے آنے سے پہلے ہی صاف کر چکا تھا۔ اب تو بیوی کا حصّہ کھا رہا ہوں۔ اب تم ہی بتاؤ دوسرے کا حصّہ میں کیونکر دے سکتا ہوں؟"

• **خمیر کا انتظار**

ایک دن مُلّا کی بیوی نے اُن سے کہا کہ ذرا دریا سے پانی بھر لاؤ۔ مُلّا بہت گھبرائے کیونکہ اس سے پہلے کبھی اُنھوں نے پانی نہیں بھرا تھا لیکن بیوی کے اصرار پر راضی ہو گئے۔ بیوی نے کہا:

"میں خود چلی جاتی لیکن میں ذرا آٹے میں خمیر اُٹھنے کا انتظار کر رہی ہوں اس لیے تم ہی چلے جاؤ۔"

چار و ناچار مُلّا گھڑا لے کر چلے گئے۔ دریا پر پہنچ کر انھوں نے جونہی گھڑے کو اس میں ڈالا وہ ہاتھ سے چھوٹ گیا اور پانی کے تیز بہاؤ میں آگے نکل گیا۔ مُلّا اسے دیکھتے رہ گئے۔ تھوڑی دیر میں اس کے اندر پانی بھر گیا اور وہ دریا کی تہہ میں بیٹھ گیا۔ مُلّا گھنٹوں دریا کے کنارے بیٹھے رہے۔ کسی نے پوچھا:

"مُلّا یہاں کیا کر رہے ہو؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"دریا میں خمیر اُٹھنے کا انتظار کر رہا ہوں۔"

• **آگ بھی ڈرتی ہے**

ایک دن مُلّا کی بیوی اپنے کسی عزیز کے ہاں چلی گئی۔ مُلّا گھر میں اکیلے رہ گئے۔ انھوں نے سوچا کہ کھانے کا بندوبست گھر میں ہی کر لیا جائے۔ چنانچہ اُنھوں نے چولھے میں آگ جلانی شروع کی۔ اتفاق سے لکڑیاں گیلی تھیں۔ انھوں نے بہت کوشش

کی کہ لکڑیوں سے آنچ نکلے مگر پھکنی سے پھونک پھونک کر سانس پھول گئی۔ کاغذ بھی کئی بار رکھا۔ لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جب عاجز آگئے تو کھسیانے ہو کر بولے:

"جلتی ہے سیدھی طرح یا بلاؤں بیوی کو؟"

یہ کہہ انہوں نے اور زور زور سے پھونکنا شروع کیا۔ اتنی دیر میں انگارے خوب روشن ہو گئے وہ سمجھے کہ شاید بیوی کے نام پہ انگاروں میں چمک آئی ہے۔ اس لیے انہوں نے ایک اور ترکیب سوچی وہ دوڑ کے اپنی بیوی کا کوئی دوپٹہ اٹھا لائے اور اُسے اوڑھ کر چولہا پھونکنا شروع کر دیا۔ اتفاق سے کسی لکڑی کے ٹکڑے میں سے چھوٹا سا شعلہ بلند ہو گیا۔ نصرالدین مسکرائے اور سوچنے لگے۔

"کمال ہے۔ میری بیوی سے آگ بھی ڈرتی ہے۔"

• رمضان کے پینتالیس (45) دن

ملاّ کو روزے رکھنے کا بڑا شوق تھا اور رمضان کی آمد کا خاص طور پر اہتمام کرتے تھے۔ ایک سال انہوں نے سوچا کہ اکثر روزوں کا حساب دماغ سے اُتر جاتا ہے، یاد نہیں رہتا کہ کتنے روزے گزر چکے ہیں اور کتنے باقی ہیں، اس لیے اسے یاد رکھنے کا کوئی بندوبست کیا جائے۔ چنانچہ وہ ایک گھڑا خرید کر لائے۔ اپنے مکان کے کونے میں رکھ دیا اور طے کیا کہ روزانہ سحری کے وقت ایک پتھر ڈال دیا کروں گا۔ اس طرح جب چاہوں گا انھیں نکال کر گن لوں گا۔ ایک دن وہ اپنے مکان کے دروازے پر کھڑے تھے کہ کسی راہ گیر نے اُن سے پوچھ لیا:

"کیوں جناب! آج کون سا روزہ ہے؟"

ملاّ نے انھیں کوئی جواب نہ دیا صرف ہاتھ کے اشارے سے ٹھہرنے کو کہا اور گھر میں گھس گئے۔

اُدھر اُن کی بیٹی نے کیا تماشا کر رکھا تھا کہ باپ کو گھڑے میں پتھر ڈالتے دیکھ کر خود بھی شوق سے بہت سے پتھر اٹھا لائی تھی اور گھڑے میں ڈال دیے تھے۔ اب ملاّ نے جو گنتی شروع کی تو اس میں سے پینتالیس پتھر نکلے۔ ملاّ دوڑتے ہوئے راہ گیر کے پاس پہنچے اور بولے:

"بھائی آج پینتالیسواں روزہ ہے۔"

راہ گیر بڑا چکرایا۔ اُس نے تعجب سے پوچھا:

"رمضان میں تیس روزے ہوتے ہیں یا انتیس۔ یہ آپ کا پینتالیسواں روزہ کیسے ہوگیا؟"

مُلاّ نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا:

"میں زبانی جمع خرچ کا قائل نہیں۔ ہر چیز کا باقاعدہ حساب رکھتا ہوں۔ کسی کے تیس روزے ہوتے ہوں یا انتیس۔ میرا تو پینتالیسواں ہے۔"

• ہم نہیں ہیں

بادشاہ تیمور لنگ کا ایک مخصوص ہاتھی تھا جو عام طور پر شاہی اصطبل میں رہتا تھا۔ ایک دن پتہ نہیں کیسے وہ اصطبل سے نکل بھاگا، مُلاّ کے گاؤں جا پہنچا اور آس پاس کی کھڑی فصل کو تباہ کرنے لگا۔ گاؤں والے مُلاّ نصرالدین کے پاس آئے اور کہا:

"ہم لوگ اس مست ہاتھی سے بہت پریشان ہیں اِس لیے شاہی دربار پہنچ کر فریاد کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ہمارے وفد کے قائد بن کر ساتھ چلیے تو بڑی مہربانی ہو۔ بادشاہ آپ سے واقف بھی ہے اور آپ درباروں میں بات بھی کر سکتے ہیں۔"

مُلاّ راضی ہوگئے اور وفد مُلاّ کی سربراہی میں شاہی دربار پہنچ گیا۔

لیکن سب بادشاہ کے سامنے جانے سے کتراتے رہے تھے، تیمور لنگ کے رُعب اور دبدبے سے گھبراتے تھے۔ کافی دیر تک آگا پیچھا کرنے کے بعد کسی نے مُلاّ کو دھکا دے کر آگے بڑھا دیا۔ بہر حال مُلاّ بادشاہ کے سامنے پہنچ گئے اور باقی سب لوگ پیچھے سے کھسک گئے۔ مُلاّ کی بھی حالت تیمور کے سامنے خراب ہو رہی تھی۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ تمام گاؤں والے بھی بھاگ گئے ہیں اور وہ تنہا بادشاہ کے سامنے کھڑے ہیں تو اُن کا مارے ڈر کے بُرا حال ہوگیا۔ اِن کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔

جب یہ کچھ نہ بولے تو بادشاہ نے پوچھا:

"نصرالدین! کس لیے آئے ہو؟"

بادشاہ کے لہجے سے مُلاّ کو یقین ہوگیا کہ آج وہ غصے میں ہے۔ مُلاّ نے نہایت دھیمی آواز میں ہکلاتے ہوئے جواب دیا:

"عالم پناہ! ـــــ وہ آپ کا ہاتھی ہے نا ـــــ!"

بادشاہ نے پوچھا:

"ہاں ہاں، وہ ہاتھی ہے تو پھر کیا ہوا، بتاؤ؟"

"ہم۔۔۔نہیں نہیں۔۔۔میں۔۔۔سوچ رہا تھا کہ اُس کا جوڑا مکمل کر دیا جائے!"

• مُرغوں کی سمجھ

ایک دن مُلاّ نے بازار سے کچھ مرغے خریدے اور انہیں تھیلے میں ڈال کر گھر کی طرف چل دیے۔ کچھ دور چلنے کے بعد انھوں نے سوچا کہ یہ کیا حماقت ہے کہ مرغوں کو اپنے اوپر لاد کر لے چلوں جبکہ خدا نے انہیں بھی پاؤں دیے ہیں۔ وہ خود چل لیں گے۔ یہ سوچ کر انھوں نے تھیلا کھول دیا اور سب مرغوں کو زمین پہ چھوڑ دیا۔ مرغوں نے باہر آتے ہی اِدھر اُدھر بھاگنا شروع کر دیا۔ اب مُلاّ بڑے پریشان ہوئے اور ڈانٹ کر بولے:

"احمقو! یہ تم خوب جان لیتے ہو کہ صبح ہونے والی ہے اور بانگ دینا شروع کر دیتے ہو لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمیں جانا کس طرف ہے!"

• شاگرد کا مُطالعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کوئی بہت بڑا عالم مُلاّ کی شہرت سُن کر اُن کے پاس آیا اور ان سے شاگرد بنانے کی درخواست کی۔ اپنے بارے میں اُس نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا:

"اُستاد صاحب! میں نے بہت سے مدرسوں میں تعلیم حاصل کی۔ کئی مشہور بزرگوں کی صحبت میں رہا۔ اور فیض حاصل کیا، میری زندگی علم کے حصول میں گزری ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ سے بھی استفادہ کروں۔ کیا آپ مجھے اپنا شاگرد بنانا پسند فرمائیں گے؟"

مُلاّ نے جواب دیا:

"مجھے بڑا افسوس ہے کہ میں آپ کو اپنی شاگردی میں نہیں لے سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی زندگی اساتذہ اور ان کی تعلیمات کے مطالعے میں گزار دی جبکہ میں اس کا قائل ہوں کہ اساتذہ اور ان کی تعلیمات کی روشنی میں آپ کو پرکھا جاتا۔ صرف اسی صورت سے آپ کی قدرد

قیمت کا اندازہ کیا جا سکتا تھا۔"

• دُودھ والے کا گھوڑا

مُلّا نصرالدین نے ایک بار جلانے کی لکڑی فروخت کرنا شروع کی اور اس کام کے لیے ایک گھوڑا خریدا جو کسی دودھ والے کا تھا۔ دودھ والا اس پر دودھ کے برتن لاد کر چلتا اور گھروں گھروں دودھ بانٹتا پھرتا تھا۔ اس کی یہ بھی عادت تھی کہ گھر کے سامنے ہنہناتا تھا جس سے گھر والوں کو معلوم ہو جاتا کہ دودھ والا آگیا۔ یہ عادت مُلّا کے پاس آنے پر بھی نہ چھوٹی یعنی اُس کی پیٹھ پر ہوتی تو تھی لکڑی لیکن ہر دو تین گھر کے بعد وہ کھڑا ہو جاتا اور زور سے ہنہناتا۔ گھروں کے لوگ دودھ کے برتن لے کر باہر نکل آتے۔ جب دودھ والے کو نہ پاتے تو کھسیانے ہو جاتے۔ اُدھر مُلّا کو بھی غصّہ آتا کہ یہ کیا بدتمیزی ہے۔ کبھی کبھی کسی سے جھگڑا بھی ہو جاتا تھا۔ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔ ایک دن مُلّا غصّے سے پاگل ہو گئے، سینہ تان کر گھوڑے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اور بولے:

"آج تیرے میرے درمیان فیصلہ ہو جائے کہ بیچنے والا کون ہے۔ تو کہ میں ——! تو تو اس لیے ہنہناتا ہے کہ جلانے کی لکڑیاں بیچنا چاہتا ہے۔ لیکن لوگ مجھ سے جھگڑتے ہیں کہ میں دودھ کیوں نہیں لایا؟"

• خُدا کی قدرت

ایک دن مُلّا نصرالدین آم کے درخت کے نیچے لیٹے ہوئے تھے اور وہاں سے کچھ فاصلے پر پھیلی ہوئی تربوز کی بیل کو دیکھ رہے تھے۔ اچانک اُن کے دل میں آیا کہ خُدا نے تربوز جیسے بڑے اور بھاری پھل کو تو نہایت کمزور اور حقیر بیل سے نکالا جو زمین میں پھیلی ہوئی ہے۔ جبکہ آم جیسے چھوٹے سے پھل کو اتنے بڑے اور اونچے درخت میں لگایا۔ اس میں خُدا کی کیا مصلحت ہے؟ ابھی یہ بات سوچ ہی رہے تھے کہ اچانک ایک آم ان کے منہ پر آ گرا۔ انھوں نے منہ کو اپنی انگلیوں سے سہلایا اور آم کھانے میں مصروف ہو گئے —— لیکن ٹھیک اسی وقت اُن کی سمجھ میں وہ مُعمّا آگیا جس کے بارے میں چند

لمبے چیلے غور کر رہے تھے۔ یعنی تربوز کو زمین کی بیل میں
لگایا جبکہ آم کو خدا نے اتنے بڑے درخت میں پیدا
کیا۔ انھوں نے سوچا کہ اگر آم کی جگہ تربوز اُن
کے منہ پر گرا ہوتا تو آج خاتمہ ہی ہو جاتا ؛

• اہرام مصر

ایک دن مُلاّ کے دل میں درخت پر چڑھنے
کا خیال آیا۔ اُنھوں نے سوچا کہ صبح کا وقت
ہے درخت پر بڑا مزا آئے گا۔ چنانچہ یہ سوچ
کر وہ ایک درخت کی شاخ پر چڑھ گئے۔ اتفاق
سے اُس وقت کوئی راہ گیر اُدھر آ نکلا۔ اُس نے
مُلاّ کو درخت پہ چڑھے دیکھا تو پوچھا :
"مُلاّ وہاں کیا کر رہے ہو ؟"
مُلاّ نے جواب دیا :
"اہرام مصر پہ چڑھا ہوا ہوں !"
راہ گیر کو اس جواب پر بڑا تعجب ہوا۔ اُس
نے پوچھا :
"کیا کہہ رہے ہو؟ یہ درخت ہے یا اہرام مصر؟
اُس میں تو چار پہلو ہوتے ہیں۔ اور چاروں پہلو
ایک کونے پر جا کر مل جاتے ہیں۔ یہ تو درخت ہے"
مُلاّ نے زوردار قہقہہ لگایا اور وہیں سے
چیخ کر بولے :
"تم میرے جواب پر حیران ہو جبکہ میں تمہارے
سوال پر حیرت زدہ ہوں۔ ہمارا اہرام تو اتنا بڑا
اور خوبصورت ہے کہ اس کے سامنے تمام اہرام
ہیچ ہیں —— تم جو چار سمتوں کی بات کرتے تو
تو دیکھو اس میں بھی چار پہلو ہیں۔ میں چاروں سے
ایک ساتھ لطف اندوز ہو رہا ہوں۔ سب سے
پہلے تو اس میں کیسی کیسی خوبصورت چڑیاں چہچہا
رہی ہیں۔ اُن کی پیاری پیاری آواز کانوں کو کتنی
بھلی لگ رہی ہے، دوسرے پھولوں کی خوشبو سے
دماغ معطر ہو رہا ہے۔ تیسرا پہلو یہ ہے کہ صبح
کی سہانی ہوا چل رہی ہے اور چوتھا یہ کہ سورج
کی نرم نرم کرنیں درخت کی شاخوں سے چھن چھن کر
آ رہی ہیں جو اس ٹھنڈے موسم میں بڑی اچھی معلوم
ہو رہی ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ وہ اہرام مصر اچھے
ہیں جو پتھر کے بنے ہیں یا میرا یہ اہرام جس کے
چار پہلو چار مختلف حسن لیے ہوئے ہیں !"

• جہاں میں بیٹھوں

مُلّا نصرالدین اتنے دل چسپ انسان تھے کہ جہاں بیٹھ جاتے، لوگ ان کے گرد اکٹھا ہونے لگتے۔ یہ اُن سے مزے مزے کی باتیں کرتے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ مُلّا نصرالدین کسی وعظ کی محفل میں گئے۔ یہ محفل کسی رئیس آدمی کے مکان پر منعقد ہوئی تھی۔ اُس آدمی نے اپنے مکان کے بڑے کمرے میں مہمانوں کے بیٹھنے کا انتظام کیا تھا اور ایک کونے میں خوب اچّھا سا ڈائس بنا دیا تھا جہاں سے واعظ کو تقریر کرنی تھی۔ جب مُلّا اس محفل میں پہنچے تو تقریر شروع ہو چکی تھی۔ مُلّا کمرے کے دروازے کے قریب جوتوں کے پاس بیٹھ گئے۔ اور برابر والے آدمی کو دبی زبان میں چھوٹے چھوٹے قصے سنانا شروع کر دیے۔ آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے مُلّا کی باتوں میں بڑی دل چسپی لی۔ اور کھسک کھسک کر ان کے گرد بیٹھنے لگے۔

مُلّا نے شروع میں تو آہستہ آہستہ باتیں کیں لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ان کی آواز تیز ہونے لگی۔ امیر آدمی

یہ منظر دیکھ رہا تھا اور جی ہی جی میں آگ بگولہ ہو رہا تھا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد یہ نوبت آگئی کہ واعظ خود ہی تقریر کرتے رہے۔ سننے والا ایک بھی نہ تھا۔ اب تو امیر آدمی سے بالکل نہ رہا گیا اُس نے غصّے کے عالم میں چلّا کر کہا:

"بند کرو ان باتوں کو ——! واعظ تقریر کر رہا ہے اور تم لوگ اپنی کھچڑی پکا رہے ہو۔ یاد رکھو مجھے یہ باتیں بالکل ناپسند ہیں۔ یہ مجلس وعظ میں نے منعقد کی ہے۔ اس میں جو بھی مقرر ہوگا اُسے سُننا ہی پڑے گا۔"

یہ کہہ کر امیر آدمی نے ہاتھ کے اشارے سے اُس جگہ کو بتایا جہاں واعظ بیٹھا ہوا تقریر کر رہا تھا۔ پھر بولا:

"دیکھیے یہ جگہ ہے۔ جو کوئی یہاں بیٹھے گا صرف اُسی کو بولنے کا حق حاصل ہے۔"

مُلّا نے فوراً جواب دیا:

"پتہ نہیں، آپ لوگ ہر بات کو کس انداز سے سوچتے ہیں۔ آپ یہ کہتے ہیں کہ جو کوئی ڈائس پر بیٹھے گا صرف اُسی کو بولنے کا حق حاصل ہوگا۔ میں

اس بات کو یوں کہتا ہوں کہ میں جہاں بیٹھ جاؤں مجھے بولنے کا حق مل جاتا ہے۔ یا یوں سمجھ لیجیے کہ میں جہاں بیٹھ جاؤں وہی صدر کی جگہ ہے۔"

• اُلٹا مصنف، اُلٹی کتاب

ایک دن مُلّا کے گاؤں کے چائے خانے میں ایک ایسا شخص آکر بیٹھ گیا جو بڑا باتونی تھا۔ اس نے چائے خانے میں سب لوگوں کو اپنی باتوں سے مرعوب کر لیا۔ پھر یہاں تک کہا کہ خود کو ایک مذہبی عالم کی شکل میں پیش کیا اور خوب لمبی لمبی ہانکی۔ مُلّا بھی ایک کونے میں بیٹھے اُس کی باتیں سُن رہے تھے۔ وہ شخص کبھی فلسفہ بگھارتا تو کبھی اللہ والوں کی باتیں کرنے لگتا۔ اور اپنی ہر بات کو سچا ثابت کرنے کے لیے مختلف کتابوں کے جھوٹے سچے حوالے دیتا۔ جب مُلّا اُس کی لن ترانی سنتے سنتے تنگ آ گئے تو اُن سے رہا نہ گیا۔ اتفاق سے اُس نے اپنی تصنیف کی ہوئی کتاب مجمع کے سامنے بڑھائی۔ مُلّا نے لپک کر اُسے لے لیا۔ کیونکہ سارے مجمع میں صرف وہی پڑھے لکھے آدمی تھے اور اُسے کھول کر دیکھنا شروع کیا۔ وہ ایک ایک ورق اُلٹتے جاتے اور اُسے دیکھتے جاتے لیکن پڑھتے کچھ نہ تھے۔ کافی دیر تک ورق اُلٹنے پلٹنے کے بعد وہ کتاب کو اُلٹا پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ جب نو وارد نے اپنی کتاب کی اس قدر بے عزتی دیکھی تو اُس سے خاموش نہ رہا گیا۔ وہ بول پڑا:

"قبلہ! آپ اُلٹی کتاب پکڑے ہیں!"

مُلّا نے جواب دیا:

"جی ہاں! میں نے جان بوجھ کر کتاب کو اُلٹا پکڑا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب ہی آپ کے علوم کی بنیاد ہے۔ اگر اس سے کچھ سیکھنا ہے تو عقلمندی اسی میں ہے کہ اس کو اُلٹا ہی پکڑا جائے۔"

• زندگی اور موت کا مسئلہ

ایک دن مُلّا جنگل میں ایک درخت پر چڑھے ہوئے اس کی شاخ کاٹ رہے تھے۔ شاخ پر وہ اس طرح بیٹھے تھے کہ جو حصہ کٹ کر گرنے والا تھا وہ اسی کو کاٹ رہے تھے۔ کسی راہ گیر نے انہیں

دیکھ لیا اور آواز دے کر کہا:

"بڑے صاحب! آپ یہ کیا غضب کر رہے ہیں؟ جس شاخ پر بیٹھے ہیں اُسی کو کاٹ رہے ہیں۔ اگر خدا نخواستہ گر گئے تو ہڈی پسلی کا بھی پتہ نہ چلے گا۔"

مُلّا نے جواب دیا:

"کیا میں پاگل ہوں جو تمہاری باتوں میں آجاؤں یا تم کوئی پہنچے ہوئے بزرگ ہو جس کی ہر بات سچ نکلے۔"

راہ گیر اپنی بات کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ اسی اثنا میں شاخ کٹ کر نیچے آگئی ساتھ ہی مُلّا بھی دھڑام سے گر پڑے۔ اُن کے اچھی خاصی چوٹیں آئیں لیکن شرم کے مارے فوراً ہی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بھاگتے ہوئے راہ گیر کے پاس پہنچے اور بولے:

"حضور میں نے مان لیا کہ آپ واقعی پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ آپ مجھے اپنا مرید بنا لیجیے۔"

راہ گیر نے مُلّا کو لاکھ سمجھایا کہ میں بزرگ وزرگ کچھ بھی نہیں ہوں لیکن مُلّا ایک نہ مانے اور اسی پر اصرار کرتے رہے کہ وہ شخص کوئی اللہ والا ہے جبھی تو میرے گرنے کا حال پہلے سے بتا دیا۔ غرض مُلّا اور راہ گیر میں کافی عرصے تک بحث چھڑی رہی۔ بالآخر

[illegible] کو کوسنا شروع کر دیا۔

"تمہیں آج موت آجائے گی۔"

مُلّا نے اس کی یہ بات بھی سچ سمجھی اور جہاں کھڑے تھے وہیں چاروں خانے چت لیٹ گئے۔ آنکھیں بند کر لیں اور سانس روک لی۔ محلّے والوں نے مُلّا کو سڑک پر لیٹے دیکھا تو دوڑ کر قریب آئے۔ انھیں بلایا ڈلایا لیکن وہ تو دم سادھے لیٹے تھے۔ اس لیے از خود کوئی حرکت نہ کی۔ لوگ انھیں مُردہ سمجھ کر لے گئے اور ان کے کفن دفن کا انتظام شروع کر دیا۔

جب انھیں میّت کی شکل میں قبرستان لے جانے لگے تو لوگوں میں اختلاف ہوا کہ کس راستے سے لے جائیں۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ بائیں طرف چلو۔ یہ راستہ چھوٹا ہے۔ لیکن کچھ کا خیال تھا کہ داہنے ہاتھ پر جو گلی جاتی ہے اس سے قبرستان نزدیک پڑتا ہے۔ کافی دیر تک بحث سننے کے بعد مُلّا سے نہ رہا گیا۔ وہ کفن کے اندر سے ہی بول پڑے:

"جب میں زندہ تھا تو بائیں طرف سے قبرستان جایا کرتا تھا، یہی راستہ قریب کا ہے۔"

• ایک روپے کا فائدہ

ایک دن مُلّا نصرالدین دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاق سے انہیں دس نابینا لوگ دکھائی دیے جو دریا پار کرنا چاہتے تھے۔ مُلّا اُن کے پاس گئے اور ایک روپیہ فی کس معاوضہ پر سب کو دریا پار لے جانے کی پیش کش کی۔ نابینا بخوشی راضی ہوگئے۔ مُلّا نے ایک ایک کو باری باری دریا پار لے جانا شروع کیا۔ جب وہ نو نابیناؤں کو دریا پار کرا چکے اور دسویں کو لے جانے لگے تو دریا کا بہاؤ تیز ہوگیا۔ چنانچہ مُلّا سے وہ آدمی نہ سنبھل سکا اور تیز دھارے میں بہہ گیا۔

بقیہ نو آدمی جو کنارے پر کھڑے انتظار کر رہے تھے سمجھ گئے کہ ان کا ایک ساتھی بہہ گیا۔ انھوں نے وہیں سے چلّا کر آواز دی۔

"مُلّا کیا معاملہ ہے۔؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"کوئی خاص بات نہیں۔ محض ایک روپے کا فائدہ ہوگیا۔"

مجھ سے مت پوچھ!

ایک دن مُلّا نصرالدین اپنے گدھے پر سوار کہیں جا رہے تھے۔ اتفاق سے گدھے نے کوئی ایسی چیز دیکھ لی جس سے وہ خوفزدہ ہوگیا اور سرپٹ بھاگنے لگا۔ لوگوں نے مُلّا کو اس قدر تیز رفتاری سے بھاگتے دیکھا تو پوچھنے لگے:

"نصرالدین! خیر تو ہے؟ اس قدر تیزی سے کہاں جا رہے ہو؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"بھائیو! یہ سوال مجھ سے کرنے کا نہیں ہے۔ آپ میرے گدھے سے پوچھیں یہ اس کا نجی معاملہ ہے۔"

• مُلّا کی بیٹیاں

مُلّا کے دو بیٹیاں تھیں۔ ایک کی شادی ایک کسان کے ساتھ ہوئی تھی۔ دوسری کی اینٹ بنانے والے کے ساتھ۔ ایک دن دونوں بیٹیاں اپنے شوہروں سمیت اپنے باپ کے یہاں پہنچیں بات

چیت کے دوران ایک بیٹی بولی:

"ہمارے شوہر نے ہل چلانے کے بعد بیج بو دیے ہیں۔ اب اگر بارش ہو جائے تو بہت عمدہ فصل ہو گی۔ اس نے وعدہ کیا ہے کہ فصل اچھی ہوئی تو مجھے عمدہ سا جوڑا بنا دے گا۔"

مُلّا یہ سن کر بڑے خوش ہوئے اور ہاتھ اُٹھا کر بارش کے لیے دعا مانگنے لگے۔ لیکن اسی وقت دوسری بیٹی بولی:

"بابا ایسی دعا نہ مانگیے۔ میرے شوہر نے ابھی اینٹیں بنائی ہیں اور سوکھنے کے لیے رکھ دی ہیں۔ اگر خدانخواستہ بارش ہو گئی تو سب اینٹیں بہہ جائیں گی اور مصیبت آجائے گی۔"

مُلّا یہ سن کر بڑے پریشان ہوئے اور بولے:

"میں کوئی دعا نہ مانگوں گا۔ جو اللہ چاہے گا وہ وہ کر دے گا۔ پھر بھی میں خوش ہوں کہ دونوں میں سے ایک بیٹی تو یقیناً فائدے میں رہے گی۔"

• گٹھلیوں کے دام

ایک دفعہ مُلّا نے بہت سی کھجوریں خریدیں اور

گھر آکر انھیں کھانا شروع کر دیا۔ وہ کھجور کھاتے جاتے تھے اور گٹھلیاں جیب میں رکھتے جاتے تھے۔ اتفاق سے بیوی نے انھیں گٹھلیاں رکھتے دیکھ لیا تو اس کی وجہ پوچھی۔ مُلّا نے جواب دیا:

"تم نہیں سمجھتیں۔ میں نے کھجوریں خریدتے وقت کھجور والے سے پوچھ لیا تھا کہ اس کی قیمت میں کھجور کے ساتھ گٹھلیوں کے بھی دام شامل ہیں۔ اب جبکہ ہم نے دونوں کی قیمت ادا کر دی ہے تو یہ ہماری مرضی ہے کہ ہم گٹھلیاں پھینکیں یا رکھیں!"

چوزوں کا سوگ

ایک بار مُلّا نصرالدین نے مرغیاں پالنے کا بھی شوق کیا۔ وہ مرغیوں کے چوزے نکالتے تھے اور بڑی مرغیوں کو بیچ ڈالتے تھے۔ جب چوزے بڑے ہو جاتے تو پھر ان کو بھی بیچتے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ وہ بازار سے گزر رہے تھے۔ اتفاق سے انھیں کسی آدمی کے رونے کی آواز آئی تو انھیں بڑا تعجب ہوا۔ وہ لپک کر اس گھر کی باڑھ تک پہنچ گئے۔ اندر جھانک کر دیکھا

تو ایک آدمی سیاہ لباس میں نظر آیا۔ انھوں نے اس آدمی سے پوچھا :

"بھائی کیا معاملہ ہے؟ یہ سیاہ لباس اور رونا پیٹنا کس لیے ہے؟"

آدمی نے جواب دیا :

"میرے باپ کا انتقال ہو گیا ہے۔ میں نے اسی سوگ میں یہ سیاہ لباس پہنا ہے۔"

مُلّا یہ سُن کر آگے بڑھ گئے۔ ان کے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

دوسرے دن لوگوں نے کیا دیکھا کہ مُلّا کے تمام چوزوں کے گلوں میں کالی پٹیاں بندھی ہوئی ہیں۔ اس پر سب لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ انھوں نے مُلّا سے اس کی وجہ پوچھی۔

مُلّا نے جواب دیا :

"دوستو! میرے چوزوں کے ماں باپ کل ذبح کر دیے گئے۔ انھوں نے ان کے سوگ میں کالی پٹیاں باندھ رکھی ہیں۔ کیا انھیں سوگ منانے کا حق نہیں ہے؟"

عملی سبق

ایک دن مُلّا نصر الدین بازار سے گزر رہے تھے۔ راستے میں ایک مقام پر انھوں نے دیکھا کہ دو لڑکے ایک کوّے کو پکڑے لیے جا رہے ہیں۔ دونوں میں سے ایک نے کوّے کا ایک بازو اور دوسرے نے دوسرا بازو مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے اور زور زور سے اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ آپس میں تُو تُو میں میں بھی ہو رہی ہے۔ اس جھگڑے میں کوّا بے چارہ ادھ موا ہو چکا تھا۔

مُلّا کو اس بے زبان پر بڑا ترس آیا۔ وہ ان کے پاس پہنچے اور کہا :

"تم لوگ اس کو کیوں تنگ کر رہے ہو؟ بے چارہ بے زبان پرندہ ہے۔ اسے چھوڑ دو تمھیں دعا دے گا۔"

لڑکوں نے بیک وقت کہا :

"یہ کوّا میں نے پکڑا ہے لہٰذا اسے میں گھر لے جاؤں گا۔"

اس پر مُلّا بولے :

"یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے کچھ فائدہ پہنچ سکے۔ نہ تو اس کو کھایا ہی جا سکتا ہے۔ نہ دیکھنے میں خوب صورت ہے جس کو پنجرے میں رکھا جا سکے اور نہ ہی آواز اچھی ہے۔ تم لوگ اس کو لے جا کر کیا کرو گے؟"

مُلا کے کہنے پر ایک لڑکا بولا:

"دیکھیے مولینا صاحب۔ میری بات سنیے۔ یہ کوّا دیوار پر بیٹھا تھا۔ میں نے لڑکے سے کہا کہ میرے کندھے پر بیٹھ جاؤ اور ہاتھ بڑھا کر پکڑ لو۔ اس کو تو تم نہ [illegible] اس لیے یہ میرا ہے میں اس کو ہرگز نہ دوں گا۔"

قبل اس کے کہ مُلا کچھ بولتے دوسرے لڑکے نے اپنی صفائی پیش کی۔

"دیکھیے جناب! یہ تو ٹھیک ہے کہ اس لڑکے نے مجھے کوّا دکھایا اور اپنے کندھے پر بٹھا کر اونچا کیا جس کے نتیجے میں یہ کوّا پکڑ لیا گیا لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ یہ میں ہی تھا جس نے کوّے جیسے چالاک اور سیانے پرندے کو پھرتی سے پکڑ لیا۔ اگر یہ بھولے میاں میری جگہ ہوتے

تو ہرگز نہ پکڑ پاتے۔ اس لیے یہ کوّا میرا ہے ان کا دعویٰ قطعی غلط ہے۔"

مُلا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ ان دونوں کا فیصلہ کیسے کیا جائے۔ کافی دیر تک سوچنے کے بعد ان کی سمجھ میں ایک ترکیب آئی۔ انھوں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک درہم نکال کر لڑکوں کو دیا اور کہا کہ اس کو آدھا آدھا تقسیم کر لو اور کوّے کو اپنے قبضے میں لے کر آزاد کر دیا۔ لڑکے درہم پا کر خوشی خوشی گھروں کو چلے گئے۔

اِدھر کوّا جو ادھ مُوا ہو چکا تھا اُڑ کر ایک گائے کے سینگوں کے بیچ میں بیٹھ گیا۔ مُلا نے جو دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور بولے:

"واہ رے میرے شاہین! تو نے خوب شکار کیا ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ گائے کے قریب گئے اور رسّی کھول کر اپنے ساتھ لے گئے۔ گھر پہنچ کر گائے کو ایک طرف باندھ دیا اور اس کے چارے پانی کا انتظام کرنے لگے۔

اُدھر گائے کے مالک نے آ کر دیکھا کہ اس
کی گائے غائب ہو گئی تو اسے بڑی فکر ہوئی
اور وہ ڈھونڈنے نکل پڑا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے
مُلّا کے گھر پہنچا۔ یہاں اس نے گائے بندھی
دیکھی تو اسے خوشی بھی ہوئی اور تعجب بھی۔
تعجب اس وجہ سے کہ وہ مُلّا کو پہلے سے جانتا
تھا اور انھیں شریف آدمی سمجھتا تھا۔ مُلّا کو
دیکھتے ہی وہ برس پڑا:
"تمھیں شرم نہیں آتی گاؤں میں چوریاں کرتے
پھرتے ہو۔ میرے گھر سے گائے کھول
کر لے آئے اور کس ڈھٹائی سے اپنے گھر باندھ
رکھی ہے۔"
مُلّا نے غصّے سے جواب دیا:
"ذرا تمیز سے بات کرو جی! میں کوئی چور ہوں۔
تمھاری گائے کو میرے شاہین نے شکار کیا ہے۔
شکار پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ تمھاری جو مرضی
ہو کر لو، میں تو گائے واپس نہیں کروں گا۔"
گائے کے مالک نے کہا:
"اگر تم سیدھی طرح ہماری گائے نہیں لوٹاؤ
گے تو میں قاضی کے یہاں مقدمہ دائر کر دوں گا
پھر تمھیں آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔"
مُلّا نے جواب دیا:
"بڑے شوق سے مقدمہ دائر کیجیے۔"
قصّہ مختصر گائے کے مالک نے سچ مچ مقدمہ
دائر کر دیا۔ مُلّا اور وہ عدالت میں حاضر ہوئے
مُلّا نے قاضی کی صورت دیکھتے ہی پہچان لیا کہ
یہ تو بڑا رشوت خور ہے اور سارے زمانے میں
بدنام ہے۔ انھوں نے فوراً قاضی کو اشارہ کیا کہ
اگر فیصلہ میرے حق میں ہوا تو آپ کو وہ کنستر
دیسی گھی تحفتاً دوں گا۔
قاضی اشارہ سمجھ گیا اور فریقین کے بیانات سننے
کے بعد فیصلہ مُلّا کے حق میں کر دیا۔ مُلّا گائے
لے کر اپنے گھر چلے آئے اور دوسرے دن وہ کنستر
گھی قاضی کو بھجوا دیا۔
چند روز بعد قاضی کے گھر میں کوئی تقریب
ہوئی۔ قاضی نے گھی کے کنستر دعوت کے لیے
کھلوائے۔ جب کنستر کا ڈھکنا کھلا تو دیکھا کہ
اس میں مٹی کوڑا اور پرانے جوتے بھرے ہیں۔

قاضی کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے فوراً مُلّا کو بلوا بھیجا۔

جب مُلّا اس کے پاس پہنچے اور سارا قصہ سُنا تو بولے:

"آپ کے لیے میں نے جو کچھ بھیجا ہے وہ بالکل مناسب ہے۔ آپ اسی لائق ہیں کہ ایسی چیزیں انعام میں دی جائیں۔ بھلا بتائیے تو آپ جیسا ذمہ دار آدمی ذرا سے لالچ میں سیدھے مقدمے کو اُلٹ سکتا ہے تو پھر عام آدمیوں سے ایمان داری کی اُمید فضول ہے۔"

قاضی یہ باتیں سُن کر بڑا شرمندہ ہُوا اور مُلّا سے بولا:

"آپ مجھے معاف کر دیجیے۔ آیندہ ایسی غلطی نہ کروں گا۔ براہِ مہربانی آپ اس واقعے کی اطلاع کسی اور کو نہ دیں۔"

مُلّا نے خاموشی اختیار کر لی اور گائے اُس کے مالک کے حوالے کر دی۔

پیش گوئی

ایک دن مُلّا نصرالدین ایک زیتون کے باغ کے قریب سے گزر رہے تھے۔ باغ کے مالک نے مُلّا کو دیکھ کر پوچھا:

"کیوں مُلّا جی! اس سال میرے درختوں میں زیتون آئیں گے یا نہیں؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"یقیناً آئیں گے۔"

یہ کہہ کر مُلّا سمندر کی طرف بڑھنے لگے۔ اس نے پوچھا: "مُلّا کدھر؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"جلانے کے لیے لکڑیاں لینے جا رہا ہوں۔"

تھوڑی دیر کے بعد اُس نے دیکھا کہ مُلّا اپنے گدھے پر سوار تھکے ماندے گھر کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ اس نے مُلّا کو آواز دی۔ جب مُلّا قریب آئے تو کہا:

"مُلّا تعجب کی بات ہے، تم جیسا عقل مند آدمی جو یہ پیش گوئی کر سکتا ہے کہ اس سال پھل

آئیں گے یا نہیں۔ اتنی سی بات نہیں جو سکا کہ سمندر کے کنارے جلانے کی لکڑی کیا ملے گی۔"

ملّا نے جواب دیا :

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ مجھے اس کی بالکل خبر نہیں کہ کیا ہونے والا ہے۔"

پاکٹ بک سیریز

- آغا خان
- امام رازی
- ابنِ عربی
- امام ابنِ تیمیہ
- البیرونی
- امیر تیمور
- امام غزالی
- اکبر اعظم
- اکبر اعظم کے نورتن
- اورنگ زیب عالمگیر
- امیر خسرو
- بلھے شاہ
- بابا فرید گنج شکرؒ
- جہانگیر
- چاند بی بی
- حضرت امام حسینؓ
- حضرت عثمانؓ
- حضرت عمر فاروقؓ
- حضرت علاؤالدین صابر
- حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ
- حضرت عائشہؓ
- حضرت عیسیٰؑ
- حضرت موسیٰؑ
- حضرت علیؓ
- حضرت ابوبکر صدیقؓ
- حیدر علی
- خواجہ معین الدین چشتیؒ
- خالد بن ولید
- داتا گنج بخشؒ
- رضیہ سلطانہ
- زرتشت
- سلیمان اعظم
- سلطان محمد فاتح
- سرسید احمد خان
- سید احمد شہید
- سید امیر علی
- سلطان ٹیپو
- سراج الدولہ
- شاہ ولی اللہ
- شیر شاہ سوری
- شاہ عبداللطیف بھٹائی
- شاہ جہاں
- صدر ایوب
- صلاح الدین ایوبی
- طارق بن زیاد
- ظہیر الدین بابر
- عمر بن عبدالعزیز
- علاؤالدین خلجی
- غوثِ اعظمؒ
- کمال اتاترک
- قائداعظم محمد علی جناح
- مولانا احمد رضا خان
- مجدد الف ثانیؒ
- مولانا روم
- محترمہ فاطمہ جناح
- مہاتما بدھ
- محمد بن قاسم
- محمود غزنوی
- نور جہاں
- وقار الملک
- وارث شاہ
- ہارون رشید
- یاجوج ماجوج

فیروز سنز بک کارپوریشن لمیٹڈ